© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of the
Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.109, 2017 pp 31 - 42

مجلہ تحقیق
مجلّہ کلیۂ علوم اِشرقیہ
جلد ۳۸، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۹

محمد خالد اختر: شخصیت

☆ ڈاکٹر وحید الرحمٰن خان

Abstract:

Muhammad Khalid Akhtar was a writer of unique quality. He was a creative personality, and like every creative person, he was a multi faceted personlity. This article sheds light on various hitherto untraced and traced aspects of Akhtar's personlaity. The article has duly been incorporated with requisite references as well.

Keyword: شخصیت، عادات، مطالعہ، رومانویت، نفسیات

''ایک انسان دوسرے انسان کے متعلق کیا کچھ جان سکتا ہے؟ ایک آدمی کا بہت تھوڑا روپ اس کے جاننے والوں، دوستوں اور عزیزوں کے مشاہدے کے لیے سامنے آتا ہے۔ صرف وہی حصہ جو خود ہمارے اندرونی وجود کے آئینے میں منعکس ہوتا ہے اور اسے زندگی کی شاہراہ پر ہمارے قریب لاتا ہے۔ باقی بہت بڑا حصہ، گراہم گرین کے الفاظ میں 'اندر کا آدمی' ___ اکثر ہم میں سے بیشتر کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ ایک بڑا ناول نگار دوستو وسکی، طالسٹائی یا ہمارا کہانی نویس منٹو شاید اس حصے کو اپنی عکسی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے، ہر کوئی نہیں۔ یہ کون جانے ایک انسانی دل کے اندر کون سی امنگیں، محرومیاں، خواہشیں پرورش پاتی ہیں۔ کون سے بھسم کرنے والے، ابتدائی جبلی جذبات و احساسات وہاں بستے ہیں۔ ہم سب یک رنگ نہیں ہیں اور مختلف حالات اور موقعوں پر ہمارے کردار و افعال مختلف ہوتے ہیں۔ وہ چہرہ جو ایک عوامی لیڈر ہزاروں اور لاکھوں کے بے رخ مجمع کے

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روبرو پیش کرتا ہے، وہ چہرہ نہیں جو اس کے جگری یار اور لنگوٹیے ذاتی مجلس میں دیکھتے ہیں یا جیسے اس کے بیوی اور بچے جانتے ہیں......''(۱)

انسان کے بارے میں محمد خالد اختر کے متذکرہ بالا خیالات خاصے خیال افروز اور فکر انگیز ہیں۔ انسان واقعی ایک پُراسرار اور ناقابلِ فہم چیز ہے۔ دلوں کے دریا، سمندروں سے عمیق ہوتے ہی اور ان کی گہرائیوں کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ انسان کی شخصیت میں کئی اسرار اور بھید ہوتے ہیں اور اصل شخصیت کی دریافت، کسی معمے کو حل کرنے یا بھول بھلیوں میں راستہ تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ دنیا میں سطحی اور یک رخے لوگ بھی پائے جاتے ہیں لیکن کسی خاص موقع یا مقام پر ان کے باطن سے اچانک ایسا نیا اور پہلودار شخص نمودار ہوسکتا ہے، جسے دیکھ کر شاید وہ خود بھی حیران رہ جائیں۔ یہ انسان کی شخصیت کا امکان ہے جو نہایت عجیب اور حیران کن ہے۔

محمد خالد اختر تو تھے ہی ایک حیرت انگیز اور عجیب و غریب شخصیت کے مالک!___ ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی! ان کی ذات کا انکشاف، ان کی شخصیت کی دریافت اور نفسیات کی تفہیم، ایک دشوار فریضہ ہے۔ ہم شاید مکمل طور پر تو ان کے اندر کے آدمی سے ملاقات نہ کرسکیں لیکن اس کی ''موتی سی چھب'' ضرور دیکھ سکتے ہیں۔ ہم اس آدمی کی شاید مکمل تصویر بھی نہ بنا سکیں لیکن اس کا خاکہ ضرور کھینچ سکتے ہیں۔ خالد اختر کے احباب اور اہلِ خانہ کے خیالات اور مشاہدات کے آئینے میں ہم خالد اختر کا عکس ضرور دیکھ سکتے ہیں اور اسے واضح اور نمایاں کرنے کے لیے ان کی نجی و ادبی تحریروں سے مدد حاصل کرسکتے ہیں۔ زیرِ نظر تحریر میں مذکورہ حوالوں سے محمد خالد اختر کی شخصیت کا ایک عکس مرتب کیا گیا ہے:

خالد اختر ایک طویل قامت شخص تھے۔ ان کا رنگ گندمی، جسم کمزور اور لمبے لمبے ہاتھ تھے۔ احمد ندیم قاسمی نے ان کا یہ حلیہ بیان کیا ہے:

> ''......واپڈا ہاؤس چلے جائیے وہاں اونچے قد، تیکھے نقوش اور پھیکے لباس کا جو سب سے نحیف و نزار آدمی آپ کو نظر آئے اور جسے دیکھتے ہی یہ اندیشہ دامن گیر ہو جائے کہ اگر چلتے چلتے اس شخص کو ذرا سی بھی ٹھوکر لگی تو یہ کہیں نہ کہیں سے ٹوٹ جائے گا، تو آپ بے کھٹکے اس سے مصافحہ کر لیجیے کہ یقیناً وہی محمد خالد اختر ہوگا۔''(۲)

مسعود اشعر نے بھی اپنے مشاہدے کی روشنی میں ان کی شکل و صورت اور قد و قامت کے بارے میں لکھا ہے:

> ''......اس میز کے پیچھے ایک نہایت دبلا پتلا سوکھا تنکا سا آدمی بیٹھا تھا۔ لمبا قد، کندھے تھوڑے سے جھکے ہوئے، اندر کو دھنسی آنکھیں، گالوں کی ہڈیاں خوب ابھری ہوئیں، لمبے لمبے کان جو استخوانی چہرے کی وجہ سے اور بھی لمبے محسوس ہوتے تھے، کشادہ دہانہ اور نوکیلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹھوڑی۔ رنگ کبھی صاف ہوگا مگر اب جلا ہوا بلکہ جل کر بجھا ہوا نظر آتا تھا۔ اگر ان کے ہونٹوں پر ایک کان سے دوسرے کان تک پھیلی مسکراہٹ اور آنکھوں میں ملنساری کی معصومانہ چمک نہ ہوتی تو سچی بات یہ ہے کہ ان سے مل کر مجھے ذرا سی بھی خوشی نہ ہوتی۔''(۳)

خالد اختر رومانوی طبیعت کے حامل شخص تھے۔ ان کے مزاج کی رومانویت محض ''نصف صدی کا قصہ'' نہیں تھی بلکہ یہ رویہ ان کی تمام زندگی پر محیط دکھائی دیتا ہے۔ ان کے مزاج میں آزادہ روی، وسیع المشربی اور کشادہ نظری تھی۔ وہ دنیا کی محفلوں سے اکتاہٹ محسوس کرتے تھے اور فطرت کی آغوش میں زندگی بسر کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ ایک مقام پر انہوں نے اپنے لیے ایک مثالی اور پسندیدہ زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے، اس سے ان کے مزاج کی رومانویت عیاں ہوتی ہے:

''قدرت کے قیمتی تحفے سب کے لیے مفت ہیں۔ پانی اور ہوا اور سورج کی روشنی کے لیے کچھ نہیں دینا پڑتا (شاید بڑے صنعتی شہروں کے سوا) اور خدا سب سیلانیوں کے لیے کھلا مکان رکھتا ہے ___ بڑے سے بڑے محل سے کہیں زیادہ شاندار اور نوادر سے پر۔ یہ حیران کن ہے کہ ایک آدمی کو خوش خوش زندہ رہنے کے لیے بہت کم اشیاء کی ضرورت ہے اور ایک روٹی کا ٹکڑا اور چشمے کے پانی کا گلاس اسے مکمل صحت میں رکھنے کے لیے کافی ہے۔ میں نے تہیہ کیا کہ میں اس زندان سے باہر آ جاؤں گا اور اس وادی میں آ کر ان خوش وخرم لوگوں میں رہوں گا۔ شاید مجھے یہاں ایک معمولی سکول ماسٹر کی ملازمت مل جائے۔ سکول ماسٹر کی زندگی کوئی بری زندگی نہیں۔ عزت داری کے سب اصول، دنیا بھر کے سب رشتہ دار مجھے پھر اپنے پرفریب واسطوں سے کھینچ کر اس لعنت کے زندان میں نہ لے جا سکیں گے۔ وہ آ کر میری منتیں کریں گے۔ میں ان کی باتیں سنوں گا اور ایک سیانے چینی فلسفی کی طرح روئی سے اپنے کانوں کو ڈھوڑا لوں گا۔''(۴)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''میرے خیال میں ایک اچھی عورت کے بعد ایک دریا زندگی کی سب سے دلپذیر شے ہے۔ چمکیلا دن، عمدہ تمباکو اور سٹیونسن ___ کون ان کے مسرت بخش اثر سے بچ سکتا ہے مگر میں ان سب کو دریا کے بعد رکھوں گا۔ ان سے پوری پوری لذت حاصل کرنے کے لیے بھی دریا کا کنارہ ضروری ہے اور اس شخص سے زیادہ کون خوش قسمت ہے جو دریا کے کنارے اپنی پسند کی عورت کے ساتھ رہتا ہے۔ میں اپنے دریا کو سست اور تنہا ریتلے کناروں کے درمیان پڑے ہوئے زیادہ پسند کرتا ہوں اور اگر دریا میں کھاڑیاں اور آ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنائیں ہوں۔ اگر اس میں روح افروز پیچ اور موڑ ہوں اور کناروں پر اکا دکا کھجور کے پیڑ تو پھر میری خوشی مکمل ہے۔" (۵)

خالد کو بچپن ہی سے دریا سے محبت تھی اور وہ اکثر اکیلے ہی کشتی رانی کے لیے دریا کا رخ کرتے تھے۔ کشتی رانی ان کا "پسندیدہ کھیل" تھا۔ ان کی دریا کے لیے کشش اور کشتی رانی کا شوق، دراصل انہیں رابرٹ لوئی سٹیونسن (Robert Louis Stevenson) کے مطالعے سے پیدا ہوا۔ سٹیونسن ان کا پسندیدہ ادیب تھا۔ انہوں نے پہلی بار سکول کے زمانے میں سٹیونسن کا مطالعہ کیا تھا اور پھر انہیں یہ رومانوی اور مہم جو قلم کار ایسا پسند آیا کہ آخری عمر تک اس کی کوئی نہ کوئی کتاب ان کے زیر مطالعہ رہتی۔ سٹیونسن نے خالد کے ذوقِ مہم جوئی اور رومانویت کو مہمیز کیا۔ وہ خود کو رابرٹ لوئی سٹیونسن کا چیلا کہا کرتے تھے۔ ایک مضمون میں وہ بتاتے ہیں کہ سٹیونسن ان کی پہلی اور آخری محبت ہے اور وہ لڑکپن میں اپنی جیکٹ کی نچلی جیب میں اپنے اس پسندیدہ ادیب کی تصویر رکھا کرتے تھے اور اسی کے انداز میں بال بنانا اور بڑھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے اسی کی طرز پر مونچھیں رکھنے کی بھی کوشش کی لیکن دوستوں کے مذاق اڑانے پر باز آ گئے۔ یہ نثر نگار انہیں ایسا پسند آیا کہ وہ سکول کی لائبریری سے اس کی کتابیں چرانے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ خالد کی خواہش تھی کہ وہ بڑے ہو کر سٹیونسن کی طرز پر کہانیاں تحریر کریں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

خالد نے ایک رومانوی زندگی کے تصور میں دریا، تمباکو، اچھی عورت اور سٹیونسن کا تذکرہ کیا ہے لیکن خیال یہی ہے کہ انہیں اگر موقع دیا جاتا تو وہ سٹیونسن کے علاوہ اور بھی بہت سے ادیبوں کی کتب کو اپنے ساتھ رکھنا پسند کرتے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انہیں کتابوں سے عشق تھا اور وہ ہمہ وقت کسی نہ کسی کتاب کے مطالعے میں محو رہتے۔ اپنے کتب بینی کے شوق کے بارے میں بتاتے ہیں:

"حقیقتاً میں انگریزی ادب کا کیڑا ہوں اور میرا خوشی کا تصور ایک کتابوں کی دکان یا ایک لائبریری کے اندر جانے اور کتابوں کو سونگھنے، چھونے اور ان کے ورق الٹنے سے پورا ہوتا ہے۔" (۶)

خالد کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ خاص طور پر انہوں نے انگریزی ادب کا بغور اور بصد شوق مطالعہ کیا تھا۔ اردو ادب پر بھی ان کی نظر گہری تھی۔ وہ ہمہ وقت کتابیں پڑھنے میں مصروف رہتے۔ ان کے ہاتھ میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب ہوتی۔ لائبریریوں اور کتابوں کی دکانوں پر وہ باقاعدگی سے جاتے تھے۔

پڑھنا ___ خالد کے لیے ایک طرح سے سانس لینے کا عمل تھا لیکن لکھنا ان کے لیے جان جوکھوں کا کام تھا۔ اپنے تخلیقی عمل کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"میں ایک قدرتی لکھنے والا نہیں ہوں۔ میں بڑی دقت سے اٹک اٹک کر لکھتا ہو۔ لکھنا میرے لیے بڑا جان جوکھوں اور خون پسینہ بہانے کا کام ہے...... میرا لکھنا محض اتفاق ہے اور انگریزی کتابوں میں ڈوبے رہنے کی برسوں کی لت سے میری یہ عادت پک چکی ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں انگریزی میں سوچتا ہوں اور اردو میں لکھتے ہوئے مجھے انگریزی میں سوچے ہوئے جملوں کا ایک طرح سے ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔"(۷)

___لیکن جب ہم خالد اختر کے نثری سرمائے کو "تولتے" ہیں تو وہ خاصا "وزنی" محسوس ہوتا ہے___ مقدار اور معیار، دونوں اعتبار سے!

خالد اختر کی ابتدائی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی تھی اور انہوں نے اپنے بہن بھائیوں کے ہمراہ بچپن میں جامعہ عباسیہ سکول، بہاول پور کے مولوی برکت اللہ سے عربی اور قرآن کریم مع ترجمہ پڑھا تھا۔(۸) لیکن جوں جوں جوان ہوتے گئے، ان کے مذہبی تصورات میں تبدیلی آتی گئی۔ وہ مذہب سے بیزار تو نہ ہوئے لیکن بے نیاز ضرور ہو گئے تھے۔ تاہم ان کے ہاں کہیں کہیں واضح انکار اور تشکیک کا رویہ بھی دکھائی دیتا ہے۔

ان کے فرزند منصور خالد کا بھی یہی کہنا ہے کہ ان کے والد عملی عبادات سے گولا تعلق رہتے تھے لیکن عید کی نماز باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔(۹) خالد نے اپنے سفرنامے "دو سفر" میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ فطرت کے ایک خوبصورت منظر کو دیکھ کر ان کے اندر عبودیت کا ایسا شدید احساس پیدا ہوا کہ انہوں نے سبزے پر نماز ادا کی۔ ان کے بقول نماز پڑھنے کی یہ خواہش اتنی شدید اور مضطرب کن تھی کہ یہ انہیں باقاعدہ بھوک کی ایک قسم محسوس ہوئی۔(۱۰) محمد کاظم بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے ماہ رمضان میں روزے بھی رکھے تھے:

"جب میرے منجھلے بیٹے کا بہاول پور میں انتقال ہوا اور میں لاہور میں گھر میں اکیلا اور مغموم رہنے لگا تو خالد نے مجھے ایک دن بھی شام کو گھر پر اکیلا نہ رہنے دیا۔ وہ میرے ہاں سمن آباد میں آ جاتا اور ہم شام کو مال پر انڈس یا کسی دوسرے ریستوران میں جا بیٹھتے اور چائے پیتے۔ پھر وہاں سے نکل کر کتابوں کی دکانوں کے چکر لگاتے۔ انہی دنوں ماہ رمضان آیا تو میرا ساتھ دینے کے لیے خالد نے بھی روزے رکھے تاکہ ہم شام کو کسی ریستوران میں مل کر روزہ افطار کیا کریں۔"(۱۱)

یہ اکا دکا واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے باطن میں ایک ایسا فرد موجود تھا جسے کبھی کبھی ہی سہی، ایمان اپنی جانب کھینچے رکھتا تھا۔ منصور خالد کی یہ تاویل قابل توجہ ہے کہ ان کے والد عملی طور پر تو مذہبی نہیں تھے لیکن روحانی طور پر حد درجہ مذہبی تھے کہ انسانوں سے محبت اور مساوات سے پیش آتے تھے۔(۱۲) تاہم اس معاملے میں محمد کاظم کی اس رائے کو حتمی کہا جا سکتا ہے:

"خالد نہ مذہبی آدمی تھا، نہ مذہب بیزار! مذہب کے معاملے میں وہ اپنے آپ کو لاادریا (Agnostic) کہتا تھا۔ وہ سچ اور خلوص اور نیکی اور ایمانداری کا دلدادہ تھا۔ اگر یہ اوصاف اسے کسی دینی مدرسے کے استاد میں بھی مل جاتے تو وہ اس مذہبی شخصیت کا دل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مداح ہوتا تھا۔ (جیسا کہ اس کی کہانی ''ایک دہقانی یونیورسٹی'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ کہانی صحیح واقعات اور اصل کرداروں پر مشتمل ہے) اور اگر یہ اوصاف اسے کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں میں دکھائی نہ دیتے تو وہ ان پر لعنت بھیجتا۔ چنانچہ وہ مذہب بیزار بالکل نہیں تھا، البتہ مذہب کی عام صورتوں اور مذہبی لوگوں کی ظاہر داریوں اور منافقتوں اور پارسائی کے دعوؤں کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ ایک دفعہ مولانا مودودی بہاول پور میں آئے تو دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی ان سے جا کر ملا۔ پھر مجھے لکھا کہ ''مولانا مودودی میں تو کمال کی حس مزاح ہے۔ اس کا مجھے اندازہ ہی نہیں تھا اور میں نے جب تمہارا نام لیا تو انہوں نے تمہاری عربی دانی کی اتنی تعریف کی کہ میں حیران رہ گیا ــــــ ورنہ اتنے بڑے عالم لوگ کب کسی کو خاطر میں لاتے ہیں۔'' چنانچہ خالد مذہب کی صرف اس صورت سے بیزار تھا، جس کی نمائندگی ہمارے ملا کرتے ہیں۔ (۱۳)

خالد، مے نوشی کے لیے تو ''موقع محل'' کے محتاج تھے لیکن تمباکو نوشی کا معاملہ دوسرا تھا اور یوں بھی سگریٹ کو قرض لیے بغیر بھی آسانی سے پیا جا سکتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بلا کے ''دودنوش'' تھے۔ انہوں نے پہلی بار لڑکپن میں سگریٹ کو انگلیوں میں تھاما تھا اور آخری دم تک یہ ساتھ بنائے رکھا ــــــ منصور خالد کے بقول زندگی کے آخری دنوں میں جب وہ ہسپتال میں زیر علاج تھے، غنودگی کے عالم میں بھی ان کا ہاتھ کش لگانے کے انداز میں منہ تک جاتا تھا۔ (۱۴) ان کی موت کا ایک نمایاں سبب تمباکو نوشی تھا۔ سگریٹ نے ان کے دونوں پھیپھڑوں کو ناکارہ کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود ــــــ چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ وہ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود بھی اپنی یہ عادت ترک نہ کر سکے۔ ایک خط میں لکھا ہے:

> ''سگریٹ میں ۲۴ گھنٹے میں پندرہ سے زیادہ نہیں پیتا۔ مجھ سے یہ عادت چھوٹتی نہیں۔ میرا 'برانکائٹس' دراصل پھیپھڑے کے نچلے حصے میں T.B کی infection ہے (اسے اپنے تک رکھو) ڈاکٹر بلیغ الرحمٰن کا علاج گھر والوں کو بتائے بغیر چوری چھپے کر رہا ہوں۔ بہت مہنگا علاج ہے۔'' (۱۵)

ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں:

> ''دونوں پھیپھڑے عمر بھر کی تمباکو نوشی سے گل سڑ چکے ہیں اور X-Ray کی رپورٹ کے مطابق hyperinflated'' (۱۶)

تمباکو نوشی ترک کرنے کی انہوں نے کئی مرتبہ کوشش بھی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور آگ کشید کرتے اور دھواں بناتے رہے۔ بالآخر اسی آگ نے ان کے پھیپھڑوں کو جلا کر رکھ دیا۔ ایک خط میں سگریٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترک کرنے کی ایک ناکام کوشش کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''ایام جوانی میں میں نے بھی ایک بار تین ماہ تمبا کونوشی کو ترک کیا تھا۔ سچ کہتا ہوں، زندگی سونی اور ویران ہوگئی تھی۔ پھر ایک دفتری کولیگ فرانس میں تکنیکی تربیت لے کر لوٹے۔ ان کے پاس فرانسیسی سگریٹوں کا پیکٹ تھا۔ حالانکہ میری اپنی رائے میں میری ول پاور کافی مضبوط ہے، مجھ سے رہا نہ گیا۔ سوچا، ایک سگریٹ پھونکنے سے کچھ نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک فرانسیسی سگریٹ سلگایا، پھر دوسرا، اس کے بعد لیڈی نکوٹین نے اس طور اپنے دام میں لے لیا کہ سگریٹ نوشی سے کنارہ کرنے کی کوشش ہی ترک کر دی......'' (۱۷)

خالد اختر ایک کم گو اور کم آمیز انسان تھے۔ گفتار کے غازی نہیں تھے۔ اعتماد کی کمی تھی اور محفل میں جم کر گفتگو کرنا، ان کے لیے مشکل تھا۔ انہیں خود بھی اس بات کا احساس تھا کہ وہ گفتگو کے ماہر نہیں ہیں، چنانچہ ہمیں ان کی ''تحریر'' میں ان کی ''تقریر'' کے بارے میں بہت سے ذاتی تاثرات پڑھنے کو ملتے ہیں، مثلاً:

۱۔ میں ایک عورت کی طرح شرمیلا ہوں اور عام گپ بازی میں میں بالکل نہیں چمک سکتا۔ اس افسوس ناک کمی نے میرے ذہن کو خواہ مخواہ گھٹا ہوا اور بوجھل بنا دیا ہے۔ (۱۸)

۲۔ عرصہ ہوا گفتگو کا تحفہ قدرت نے مجھ سے چھین لیا ہے۔ میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ کچھ بے آسودگی، کچھ خوف محسوس کرتا ہوں۔ شرمیلے پن اور ڈر کی ایک موٹی آہنی دیوار ہمارے درمیان ہمیشہ حائل رہتی ہے ___ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک بڑے شہر میں جہاں میں تنہا ٹھہرا ہوا تھا، میں نے پورا ایک ہفتہ کسی سے بات تک نہ کی تھی اور ڈرتے ہوئے کہ کہیں مجھ سے طاقت گویائی تو نہیں چھن گئی اور اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے میں اس بڑے شہر کی ایک تنہا جگہ پر گیا اور وہاں ریت پر لیٹ کر سامنے لڑھکتے ہوئے نیلے سمندر سے ایک گھنٹہ باتیں کرتا رہا۔ (۱۹)

۳۔ میں نے جو، نپی تلی گفتگو کرنے میں بالکل پھسڈی ہوں اور آلیور گولڈ اسمتھ کی طرح بے چارے پول (ایک طوطا) جیسی اکھڑی اکھڑی بے تکلف باتیں کرتا ہوں، ضیا (دوست) کی اس صفت پر ہمیشہ رشک کیا ہے۔ ایک مغرب فلاسفر کے مطابق ہم دنیا میں رہنے والے انسانوں کو دو طبقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ بولنے والے اور خاموش۔ میں خاموش انسانوں کے طبقے میں شامل ہوں جو اپنے ہم جنسوں سے کٹ کر تنہا رہتے ہیں اور جن کی قسمت میں اپنے ہی ذہن کی دیواروں میں قید رہنا بھی ہے۔ (۲۰)

آلیور گولڈ اسمتھ کے پال (طوطے) کی مثال انہوں نے اور بھی کئی جگہوں پر دی ہے۔

دراصل خالد ایک خود احساس (Self Conscious) شخص تھے اور محفل میں لوگوں کو اپنی جانب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متوجہ دیکھ کر ان پر گھبراہٹ اور ''شرماہٹ'' طاری ہو جاتی تھی۔ وہ ''خوفِ منبر'' (Stage fright) کا بھی شکار تھے اور ان کے لیے مجمعے کے سامنے تقریر کرنا بہت ہی دشوار تھا۔ وہ خود کو اس معاملے میں ''مرید پور کا پیر'' قرار دیتے تھے۔

منصور خالد نے اپنے والد کی کم نامی کا بڑا سبب کم زبانی کو گردانا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ والد چونکہ ایک شرمیلے انسان تھے اور سٹیج پر جا کر بولنا ان کے لیے بہت مشکل تھا، اس لیے وہ خود کو ادبی منظر پر Present نہیں کر سکے۔ (۲۱) انتظار حسین نے اس حوالے سے اپنا تجربہ بیان کیا ہے:

> ''میں نے سوچا کہ جو ادیب آج کے فاؤنٹین پن کے زمانے میں بھی ریلیف نب کے ساتھ ہولڈر سے لکھتا ہے، اس سے ضرور ملاقات کرنی چاہیے اور اس کا تذکرہ قلم بلند کرنا چاہیے مگر جب میں نے ان سے ملاقات کی اور انہیں اپنی نیت بتائی تو وہ بالکل بدک گئے۔ معذرت کی کہ وہ بہت پبلسٹی شائی (Publicity Shy) ہیں۔ انہیں بالکل پسند نہیں کہ ان کا نام اخبار میں آئے، ریڈیو پر نشر ہو یا وہ ادبی رسالہ میں شائع ہو۔'' (۲۲)

خالد زندگی میں شہرت سے گریزاں رہے لیکن موت کے بعد شہرت نے ان سے گریز نہیں کیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خوش نامی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

خالد خاصے بدخط تھے اور ان کے لکھے کو پڑھنا آسان کام نہ تھا۔ جوانی میں ان کی لکھائی قدرے بہتر تھی لیکن بعد میں معاملہ روبہ زوال ہوتا گیا اور وہ ''خطِ موسا'' رقم کرنے لگے۔ انہیں مکتوب نگاری سے خاص رغبت تھی۔ زندگی میں انہوں نے ہزاروں خط تحریر کیے ہونگے۔ خالد کے احباب سے ان کے بیسیوں خطوط دستیاب ہوئے ہیں اور ان میں کئی ایسے ہیں جن کا عدسے کی مدد کے بغیر مطالعہ نہیں کیا جا سکتا۔ مکاتیب ہوں یا دیگر ادبی تحریریں، وہ عام طور پر ڈائری کے اوراق پر خامہ فرسائی کرتے تھے۔ ڈائریوں کے اوراق پر اکثر تنگ لکیریں کشیدہ ہوتیں، جس کی وجہ سے لفظوں کی قد و قامت مختصر ہو جاتی یا پھر لفظ ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے۔ وہ ایک عرصے تک ہولڈر اور ریلیف نب کے ساتھ پرورشِ لوح و قلم کرتے رہے لیکن بعد میں جو قلم میسر آتا، اس سے خامہ فرسائی کرتے تھے۔ احمد ندیم قاسمی نے ریلیف نب اور ان کے طرزِ تحریر کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے:

''___ شاید پانچویں یا چھٹی جماعت میں خالد کے استاد نے اسے مشورہ دیا تھا کہ صرف ریلیف کی نب کے ساتھ اردو لکھنے سے خط اچھا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے دس برس کی عمر سے ریلیف نب سے لکھنا شروع کیا تو اب تک اس نب سے چمٹا ہوا ہے۔ اس نب نے اس کا خط ایسا بگاڑا ہے کہ صرف ہم چند دوست جنھوں نے اس کے خط کو برسوں بھگتا ہے، اس کی تحریر پڑھ سکتے ہیں۔ اس پر ستم یہ کہ اس استقامت میں بھی اس کا لاابالیانہ پن در آتا ہے۔ روانی میں لکھ رہا ہے تو حروف کے نقطوں کو نظر انداز کرتا جا رہا ہے مگر مثال کے طور پر وہ لفظ ''ان'' لکھ کر سوچنے کے لیے رکا ہے تو اس کا قلم نہیں رکتا اور اس کی ریلیف نب ''ان'' کے نون کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیٹ میں پندرہ بیس نقطوں کا انبار لگا دیتی ہے۔ آپ چاہیں تو ان نقطوں کو ان حروف پر تقسیم کر سکتے ہیں جو نقطوں سے محروم رہ گئے تھے۔" (۲۳)

اردو کے مقابلے میں خالد کی انگریزی کی لکھائی صاف اور بہتر تھی۔

خالد اختر، ملازمت کو ایک قید تصور کرتے تھے اور ملازمت کا تمام عرصہ انہوں نے بے دلی اور بے چینی کے عالم میں گزارا تھا۔ ان کے مزاج میں آزادہ روی تھی اور ملازمت کی پابندیوں پر کاربند رہنا ان کے لیے آسان نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے نوکری سے تین چار بار استعفیٰ دینے کی کوشش بھی کی۔ وہ کچھ زیادہ کامیاب افسر نہیں تھے لیکن سید محمد کاظم نے انہیں ایک کامیاب افسر کہا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے:

"اس نے واپڈا میں ایسے دفتری عہدوں پر کام کیا جہاں کوئی بڑی ذمہ داری نہیں تھی اور کام کچھ اس قسم کا تھا کہ لاہور کے مرکزی بڑے سٹور میں آئے ہوئے مال کو حسب ضرورت چھوٹے علاقائی سٹوروں میں بھجوانا اور اس کا حساب کتاب رکھنا، اس لیے اس میں خالد نے اچھا کام کیا اور چھوٹے سٹوروں میں اشیاء(Material) کی کمی پیدا نہ ہونے دی۔" (۲۴)

محمد کاظم کے مطابق اپنے ماتحتوں سے خالد کا رویہ ہمیشہ ہمدردی اور خیر خواہی کا رہا۔ ان کی نرم طبیعت اور انسان دوستی کی وجہ سے ان کے دفتر کے لوگ انہیں اپنا باپ اور بزرگ سمجھتے تھے اور بھاگ بھاگ ان کا کام کرتے تھے۔ (۲۵)

انسان خطا کا پتلا ہے اور خوبی کا پیکر بھی۔ ہر شخص میں تناسب کے فرق کے ساتھ چھوٹی بڑی خامیاں اور اچھی بری عادتیں ہوتی ہیں۔ خالد اختر بھی نہ تو مکمل طور پر مرقع خوبی تھے اور نہ مجسم خطا۔ ان کی شخصیت میں ہر طرح کے رنگ ڈھنگ دیکھے جا سکتے ہیں۔ سید محمد کاظم نے ان کے "نیک و بد" کو یوں سمجھا اور سمجھایا ہے:

"اچھی عادتیں: کتابوں سے عشق، لکھنے پڑھنے کا شوق، نمود و نمائش سے حتی الوسع اجتناب، دوستوں کی آؤ بھگت اور حسب استطاعت ان کی خاطر تواضع کرنا۔ اچھے اور اونچے درجے کے ریستورانوں میں چائے پینے کا شوق (چائے پینے کے لیے اسے پاک ٹی ہاؤس اور اس کا ماحول بالکل پسند نہیں تھا۔) نو آموز ادیبوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور کوشش کر کے ان کی چیزیں "فنون" میں چھپوانا۔

بری عادتیں: اپنے کپڑوں کی طرف سے بے پروائی، بغیر استری کیے کوٹ پتلون پہن لینا، میلا رہنا، دانتوں کی صفائی ٹھیک سے نہ کر سکنا، باوجود روزانہ برش کرنے کے دانتوں پر میل جما رہنا۔ گھر میں اپنے رہنے کے کمرے میں جھاڑ پونچھ کا انتظام نہ کرنا اور نہ خود کبھی اپنی میز اور کتابوں کی جھاڑ پونچھ کرنا۔ کتابوں اور ڈائریوں پر مٹی کی تہیں جمنے دینا۔ چائے پینا اور اس کے ساتھ تقریباً ایک پیکٹ روزانہ سگریٹ پینا۔ کھانسی ہو یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زکام ہو، سگریٹ کبھی نہ چھوڑنا۔ اچھی اور صحت بخش غذا مثلاً دودھ، مکھن، اور پھل وغیرہ سے خاص رغبت نہ رکھنا (پھلوں میں خالد کو صرف پپیتا پسند تھا، جو وہ عموماً ناشتے میں کھاتا اور اس سے اس کی قبض کچھ ٹھیک رہتی) ادھار لے کر بھول جانا، اس معاملے میں جو دوست اسے یاد دہانی کرانا پسند نہ کرتے، وہ نقصان میں رہتے۔'' (۲۶)

محمد کاظم مزید بتاتے ہیں:

''خوش لباس بالکل نہیں تھے۔ اکثر ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کا ایک سوٹ ڈرائی کلین ہو کے آیا تو وہ ویسے ہی پہن کے آ گئے، اس کے ساتھ ڈرائی کلینز کی جو کپڑے کے نمبر والی چٹ لگی ہوئی تھی، وہ اسی طرح پیچھے لٹک رہی تھی۔ ہمیں اس کا پتا چل گیا تو ہم نے بڑی مشکل سے وہ کاٹ کر اتاری ___ وہ چائے پینے یا کھانا کھانے کے لیے تو بہت صاف ستھرا اور اعلیٰ درجے کا ریستوران چاہتے تھے اور ہمیشہ انڈس یا شیزان میں جاتے تھے لیکن اپنی باقی زندگی میں وہ صفائی کی طرف سے نہایت بے پروا تھے۔ ان کی کار (Hillman Imp) کے اندروں اور ڈگی کی حالت کو دیکھ کر لگتا تھا کہ یہاں رات کو مرغیاں چھوڑ دی جاتی ہیں۔ ساری جگہ ناصاف ہوتی اور بدبو دیتی تھی۔'' (۲۷)

خالد اپنے بارے میں بتاتے ہیں وہ مسواک یا برش کی بجائے لسٹرین سے کلی کر لیتے ہیں اور مہینے میں ایک آدھ بار ہی نہاتے ہیں۔ وہ نہانے کو ایک 'بورنگ' رسم خیال کرتے تھے۔ (۲۸)

عبدالباسط اختر نے بھی اپنے بھائی کی شخصیت کی چند چھوٹی چھوٹی باتوں کو بیان کیا ہے:

''خالد حساس تھے۔ کبھی کبھی غصہ بھی کرتے تھے۔ تھوڑے سے ضدی بھی تھے، اڑ جاتے تھے۔ منافقت سے چڑ تھی۔ تصنع اور بناوٹ کو ناپسند کرتے تھے۔ Status کی باتوں سے نفرت تھی۔ ایماندار تھے۔ جھوٹ بول سکتے تھے اور نہ باتوں کو چھپا سکتے تھے۔ ہر قسم کے لوگوں سے دوستی تھی۔ غریبوں کے ہمدرد تھے۔ ایک مرتبہ گاؤں کے میراثی کو اپنے سارے کپڑے دے دیئے ___'' (۲۹)

منصور خالد اپنے والد کے بارے میں بتاتے ہیں کہ انہیں پیسے کی تو کبھی تمنا ہی نہیں تھی بلکہ زیادہ پیسے کو وہ شاید برا ہی سمجھتے ہونگے۔ ریٹائر ہوئے تو گاڑی مستری کو دے کر لاہور سے بہاول پور آ گئے۔ دوحہ میں ڈیڑھ لاکھ کی انعامی رقم ملی تو سب خوش تھے لیکن انہوں نے شاید واپسی میں جہاز میں جو چاکلیٹ ملا، وہ زیادہ انجوائے (enjoy) کیا۔ (۳۰)

محمد خالد اختر نے ایک سادہ اور عام زندگی بسر کی۔ ایک عام انسان میں ہر طرح کے اچھے برے رویے پائے جاتے ہیں اور وہ چھوٹی بڑی خوبیوں اور خامیوں کا پیکر ہوتے ہیں۔ ان معنوں میں خالد اختر ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام انسان ہی تھے لیکن ان کے بعض رویوں اور عادتوں میں ایسی انفرادیت اور انوکھا پن موجود ہے کہ وہ عام فرد کی سطح سے بلند ہو کر ایک خاص آدمی بن جاتے ہیں ___ ایک تخلیقی انسان یوں بھی عام لوگوں کی نسبت خاص، منفرد اور پر کشش ہوتا ہے۔

حوالے

۱۔ محمد خالد اختر، ایک آدمی، احمد شاہ نامی، افکار (کراچی: جلد:۳۰ شمارہ:۵۸،۵۹، جنوری فروری ۱۹۷۵ء) ص:۱۴۵

۲۔ احمد ندیم قاسمی، محمد خالد اختر، معاصر، ص:۶۶۹

۳۔ مسعود اشعر، ۲۰۱۱ منفی ۹، فنون، ص:۲۰

۴۔ خالد اختر، دو سفر، (لاہور: مطبوعات، ۱۹۸۴ء) ص:۹۹

۵۔ ایضاً، ص:۱۴۸

۶۔ خالد اختر، محمد خالد اختر کی آخری تقریر، فنون (لاہور: شمارہ:۱۱۶ اکتوبر ۲۰۰۱ء ___ مارچ ۲۰۰۲ء) ص:۲۵۰

۷۔ ایضاً

۸۔ عبدالباسط اختر، راقم سے گفتگو، بہاول پور

۹۔ منصور خالد، راقم سے گفتگو، کراچی: ۲۳ مارچ ۲۰۰۳ء

۱۰۔ خالد اختر، دو سفر، ص:۹۶،۹۷

۱۱۔ محمد کاظم، سید، جواب نامہ، ۱۶ جولائی ۲۰۰۳ء

۱۲۔ منصور خالد، راقم سے گفتگو

۱۳۔ محمد کاظم، جواب نامہ

۱۴۔ منصور خالد، راقم سے گفتگو، کراچی: ۲۳ مارچ ۲۰۰۳ء

۱۵۔ خالد اختر، مکتوب بنام محمد کاظم، کراچی: ۱۶ مارچ ۱۹۹۹ء

۱۶۔ ایضاً، ۱۰ اپریل ۱۹۹۶ء

۱۷۔ خالد اختر، مکتوب بنام نیر مسعود، کراچی: ۲۹ نومبر ۱۹۹۶ء، تحریر، ص:۱۳۴

۱۸۔ خالد اختر، دو سفر، ص:۱۲۰

۱۹۔ خالد اختر، کھویا ہوا افق، ص:۲۴۶،۲۴۷

۲۰۔ خالد اختر، یاترا (لاہور: قوسین، ۱۹۹۱ء) ص:۱۴،۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱۔ منصور خالد، راقم سے گفتگو، کراچی: ۲۳ مارچ ۲۰۰۳ء

۲۲۔ انتظار حسین، باتیں اور ملاقاتیں، روزنامہ مشرق (لاہور: ۹ ستمبر ۱۹۷۷ء) ص: ۲

۲۳۔ احمد ندیم قاسمی، محمد خالد، معاصر، ص: ۶۷۱، ۶۷۲

۲۴۔ محمد کاظم، سید، جواب نامہ

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ محمد کاظم، جواب نامہ

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ خالد اختر، یاترا، ص: ۴۳، ۴۴

۲۹۔ عبدالباسط اختر، راقم سے گفتگو، بہاول پور: ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۴ء

۳۰۔ منصور خالد، راقم سے گفتگو

© rasailojaraid.com